Regd. No. L. 922.

R. No. 2186/57

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ٹیلی فون - ۲۹
قیمت تین روپے سالانہ
فی پرچہ ... نئے پیسے

کیفیٔ اشاعت
۱-۰-۰-۱-۲۲

جلد ۲۵ - شمارہ ۱۲ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۲۲ مارچ ۱۹۶۶ء

اداریہ

انگریزی اور ہندوستانی زبانیں

ایک یونیورسٹی کی ایک کمیٹی میں یہ بحث ہو رہی تھی کہ اسکولوں میں تعلیم کے معیاروں کو کس طرح بلند کیا جائے۔ اس سلسلے میں مختلف تجویزیں پیش کی جا رہی تھیں۔ کسی نے مناسب ذریعۂ تعلیم اور مناسب کتابوں کی تیاری پر زور دیا۔ اس پر ایک فاضل دوست نے فرمایا کہ اسکولوں میں بھی ذریعۂ تعلیم انگریزی ہونا چاہیے اور پھر مناسب کتابوں کا مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا کیونکہ انگریزی میں ہر مضمون پر اور ہر منزل کے لیے بہترین درسی کتابیں موجود ہیں۔ جب کسی نے ان کو یہ یاد دلایا کہ تمام ماہرین تعلیم اس بات پر متفق ہیں کہ ثانوی تعلیم کی منزل تک تو بہر حال مادری یا علاقائی زبان ذریعۂ تعلیم ہونا چاہیے تو ان دوست نے کہا کہ یہ غلط ہے۔ اگر تعلیم اچھی دینا ہے اور اسکولوں کا معیار بلند کرنا ہے تو انگریزی کے ذریعہ سے تعلیم دینا ضروری ہے۔ ایک اور دوست نے یہ بھی بتایا کہ جو لوگ پلیٹ فارم پر بڑی شد و مد سے مقامی زبانوں کو ذریعۂ تعلیم بنانے پر زور دیتے ہیں، ان کے بچے انگریزی اسکولوں میں پڑھتے ہیں اور انگریزی کے اسکولوں کی تعداد بڑھ رہی ہے، گھٹ نہیں رہی ہے۔ ایک اور صاحب نے کہا کہ مادری زبان میں تعلیم کا اصول صحیح ہے، مگر عمل کی دنیا کے تقاضے کچھ اور ہیں۔

ہمیں روز بروز یہ محسوس ہوتا جاتا ہے کہ بڑے بڑے اور بنیادی مسائل کے سلسلے میں بھی لوگوں کا ذہن صاف نہیں ہے اور اگر ذہن صاف ہے تو اس کے تقاضے کے مطابق عمل ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ کہنا ہے کہ دنیا کی کسی قوم نے اصول کو طاق پر رکھ کر اور عمل میں ہر قسم کی بے اصولی اور مصلحت پرستی اور سہل پسندی کو شعار بنا کر ترقی نہیں کی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی اصول مان لیا گیا ہے تو ایمانداری سے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اصول کو صرف وظیفۂ لب بنانا اصول کی توہین ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ جو شخص بھی تعلیم، نفسیات، زبان اور سماجیات کے مبادیات سے واقف ہے، وہ بے چون و چرا یہ تسلیم کرے گا کہ تعلیم مادری یا علاقائی زبان میں ہی ہونی چاہیے۔ وہ یہ بھی مان لے گا کہ ہر زبان میں خواہ وہ کتنی ہی پس ماندہ کیوں نہ ہو، یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ افکار و اقدار کے اعلیٰ ترین اور پیچیدہ ترین پہلوؤں کی ترجمانی کر سکے۔ بات صرف اس زبان کو کام میں لانے کی ہے۔ کچھ زبانیں اب تک بچپن کی منزل میں ہیں، لیکن ان کو ترقی کے مواقع ملیں تو وہ پختہ کاری کی منزل کا بھی ساتھ دے سکتی ہیں۔ چوتھی بات یہ ہے کہ ہمارے یہاں مقامی زبانوں کی حمایت کرنے والوں کو انگریزی کا مخالف سمجھ لیا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس گروہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں۔ لیکن مقامی زبانوں کے ذریعے تعلیم کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ انگریزی بھی ایک اور زبان کے طور پر نہ سکھائی جائے اور اس میں کچھ مہارت نہ حاصل کی جائے۔ افسوس یہ ہے کہ اسکولوں اور کالجوں میں ابھی تک انگریزی کے ناقص طریقۂ تعلیم کی وجہ سے جو قومی توانائی برباد ہوتی ہے اس پر بالکل غور نہیں کیا گیا۔ ثانوی منزل تک اگر مادری زبان یا علاقائی زبان کے ذریعہ سے تعلیم دی جائے اور پانچویں یا چھٹے درجے سے انگریزی بھی پڑھائی جائے تو ہائی اسکول تک طالب علم مادری زبان یا علاقائی زبان کے ذریعہ سے کچھ بنیادی علوم سے

اس شمارے میں

واقفیت اور ان کے متعلق کچھ معلومات کا اظہار خاصے تسلی بخش طور پر کر سکتا ہے اور ایک ہندو اگر ... کی ... کر سکتے ہیں۔ پڑھ کر آیندہ کتب خانے کی زبان کے طور پر اس سے کام لے سکتا ہے۔ سیدھی سادی بات یہ ہے کہ طلبا کو چودہ پندرہ برس تک انگریزی کے ذریعے سے تعلیم دینا ان کے ذہن پر نہ صرف غیر ضروری بوجھ ڈالنا ہے بلکہ ان کی شخصیت کو یک طرفہ کرنا ہے۔ انگریزی کے ذریعے سے تعلیم پانے والے مکمل طور پر ہندوستانی مزاج، ہندوستانی تہذیب، ہندوستانی نفسیات، ہندوستانی سماج سے ہم آہنگی نہیں کر سکتے۔ وہ اپنا ایک علیحدہ قبیلہ بنانے پر مجبور ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم آج انگریزی کی جگہ ہندی کو مرکزی سرکاری زبان تسلیم کریں۔ ظاہر ہے کہ مرکز کی سرکاری زبان کے سلسلے میں سب کی سہولت کا خیال رکھنا پڑے گا اور تمام علاقوں کی رضامندی حاصل کرنے کے بعد انگریزی کو ہٹانا مناسب ہوگا۔ لیکن ہندوستان کی فلاح اس میں ہے کہ ثانوی منزل پر انگریزی ایک لازمی زبان کی حیثیت کے طور پر پڑھائی جائے اور یونیورسٹی میں بھی وہ ایک لازمی مضمون ہو تاکہ ہم دنیا کے علمی ہرمایے سے واقف ہو سکیں اور عالمی معیاروں کو اپنا سکیں۔ مگر تعلیم اپنی زبان میں دینا چاہیے۔ آج ملک میں جو انتشار اور بے یقینی کی کیفیت ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ یا تو ہم جس اصول کا نام لیتے ہیں، اس پر عمل نہیں کرتے ... ذہن کے کسی گوشے میں مغرب سے مرعوبیت کی کوئی گرہ ... انگریزی کے سہارے ہم موجودہ با اقتدار طبقے کی حکومت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ مادری زبان یا علاقائی زبان میں تعلیم کو، جیسے تعلیم کو قوم کی سب سے بڑی ضرورت سمجھ کر، بلکہ غذائی مسئلے سے بھی زیادہ اس کو اہم سمجھ کر اس کے لیے مناسب انتظام کیجیے۔ اساتذہ کو مناسب تنخواہیں دیجیے۔ اچھی کتابیں تیار کرائیے اور تعلیم کو جو بہر صورت ٹالا جا رہا ہے اس کو بچائیے۔ شخصیت کی تعمیر اور قدروں کے احساس کے گرد اسے چلائیے تو ہندوستان کی نئی نسل اپنے پیروں پر، اپنے ملک اور قوم پر فخر کرنا اور اس پر ... سیکھے گی اور اس ... دشوار ہو کر خلیج سمجھ کر آگے بڑھے گی اور ... وہ پریشانیوں کا ماتم کر کے بے بسی اور مجبوری کی تصویر پیش نہ کرے گی۔ آج تعلیم کا مسئلہ اور صحیح تعلیم کا مسئلہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے ذریعے سے دوسرے مسائل حل ہوں گے ورنہ ہمارے تعلیمی اداروں سے نکلنے والے انجینیر اور ڈاکٹر اور ماہرین فن صرف اچھی تنخواہوں کی فکر کریں گے اور مغرب کی تجربہ گاہوں کے لیے رنگروٹ بھرتی کرنے کا سامان بنیں گے یا جہاں چار پیسے کا نفع ہوگا وہاں کا رخ کریں گے، ہندوستان اور اس کے فلاح و بہبود کو نظر انداز کر دیں گے۔

سیر بین

ہمارے پرانے کرم فرما ڈاکٹر جعفر حسن نے اپنے ایک خط میں ایک ضروری مسئلے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ خط کا ضروری اقتباس درج ذیل ہے۔

"دو کارڈ مطبوعہ ہیں جس میں وقت ۶$\frac{1}{2}$ اور ۵$\frac{1}{4}$ ہے۔ ۶$\frac{1}{2}$ سے مراد اگر ساڑھے چھ بجے ہے تو ۶$\frac{1}{2}$ لکھنا ہی صحیح اور ... ہے۔ اسی طرح ۵$\frac{1}{4}$ لکھنے سے مراد پونے پانچ ہیں یا سوا پانچ؟

ایک طریقہ قطعی طور پر متعین کرنا ہر حال میں ضروری ہے۔ لاطینی اعداد میں دائیں طرف لکھنے سے اضافہ اور بائیں طرف لکھنے سے منہائی ہوتی ہے۔ جیسے VI اور XI چھ اور گیارہ ہوتے مگر IV اور IX لکھنے سے چار اور نو۔ یہی طریق جرمنی میں مروج ہے۔"

اس سلسلے میں ہماری زبان کے پڑھنے والوں کو اظہار خیال کی دعوت دی جاتی ہے، لیکن ہم اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ساڑھے چھ کو جب ۶$\frac{1}{2}$ لکھا جاتا ہے تو اس طرح لکھنے میں وہی اصول ہے جو انگریزی میں ہے۔ انگریزی میں $\frac{1}{2}$ 6 پر کسی کو اعتراض نہیں ہوتا کیونکہ انگریزی بائیں سے دائیں کو لکھی جاتی ہے۔ اردو چونکہ دائیں سے بائیں کو لکھی جاتی ہے اس لیے اسی وجہ سے ۶$\frac{1}{2}$ میں $\frac{1}{2}$، ۶ کے بعد آتا ہے۔ اسی طرح ۵$\frac{1}{4}$ لکھنے سے پونے پانچ مراد نہیں ہو سکتے، ہاں سوا پانچ مراد ہوتے ہیں۔ جعفر حسن صاحب ... ایک ... طور پر متعین کرنا چاہتے ہیں لیکن ہم ۶$\frac{1}{2}$ کو ... کم دیکھا ہے۔ عام طور پر ۶$\frac{1}{2}$ ہی لکھا جاتا ہے۔ اس ... طریقہ متعین ... ہے۔ اس میں کوئی الجھن ... نہیں ہوتی۔

ایک شاعر تھے وہ نقادوں سے بہت خفا تھے۔ وجہ یہ تھی کہ ان کے ... تھے اگر کوئی نقاد ان کی شاعری پر تفصیل سے اظہار خیال کرنے کا موقع نہ نکال پاتا تھا سب اپنی اپنی مصروفیات کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ آخر ایک نقاد کو ان شاعر صاحب نے پکڑ لیا اور بولے کیوں حضرت آپ چند جملوں میں میرے کلام کے متعلق رائے ظاہر کر دیتے ہیں، مگر ذرا کھل کر کیوں نہیں کہتے۔ بیچارے نقاد نے پھر عدیم الفرصتی کا عذر کیا، مگر یہ حضرت نہ مانے۔ جب نقاد زچ ہو گیا تو اس نے عرض کیا کہ حضرت سچی بات یہ ہے کہ آپ کا کلام اچھی طرح میری سمجھ میں نہیں آتا، جتنا آتا ہے اسی حساب سے چند باتیں کہہ دیا کرتا ہوں۔ اب شاعر صاحب اس نقاد سے بے حد خفا ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ رجعت پسند ہو گیا ہے۔ ان کی سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ نقاد شاید سچ بول رہا ہو اور واقعی اس کی سمجھ میں ان کے اشعار آسانی سے نہ آتے ہوں۔

اقبال سے کسی نے دریافت کیا کہ آخر یہ کیا بات ہے کہ شاعر کی قدر اس کے مرنے کے بعد ہوتی ہے۔ اقبال نے جواب دیا کہ بات بالکل واضح ہے جب شاعر کی آنکھیں کھلی ہوتی ہیں تو زمانے کی آنکھیں بند ہوتی ہیں اور جب شاعر کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں تو زمانے کی آنکھیں کھلتی ہیں۔ لیکن اقبال نے ایک اور پہلو پر غور نہیں کیا۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ شاعر کی آنکھیں بند ہونے کے بعد بھی زمانے کی آنکھیں نہ کھلیں یا شاعر کی آنکھیں جب کھلی ہوں تو زمانہ بھی اپنی آنکھیں کھول دے۔ بہرحال معاملہ اپنی اپنی توفیق کا معلوم ہوتا ہے، اس کے متعلق کوئی کلیہ قائم نہیں کیا جا سکتا۔

مناظر عاشق ہرگانوی

ماہنامہ "ادیب" فیروزآباد

ماہنامہ ادیب "فیروزآباد" کا پہلا شمارہ (جنوری ۱۸۹۹ء) میرے پیش نظر ہے۔ اس کے اڈیٹر سید اکبر علی اکبرآبادی (سند یافتہ کلکتہ یونیورسٹی) تھے۔ یہ رسالہ مطبع مفید عام آگرہ میں باہتمام محمد قادر علی خاں صوفی چھپ کر مقام فیروزآباد ضلع آگرہ سے شائع ہوتا تھا۔ اس کی ضخامت ۴۶ صفحات ہوتی تھی۔ سالانہ قیمت مع محصول ڈاک للعہ پیشگی ۱۸؍ اور فی پرچہ ۸؍ رکھی۔ کتابت بہت روشن اور کاغذ بھی اچھا ہے تقطیع وہی ہے جو معارف، اعظم گڑھ کی ہے۔

صفحہ ایک سے صفحہ ۹ تک اداریہ میں "ادیب کے مقاصد" کے زیر عنوان ادیب کے اجرا پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اقتباس درج ہے۔

۱۔ اس کے ذریعہ سے یہ ثابت کیا جائے کہ سائنس اور مذہب میں فی الاصل کوئی مخالفت نہیں ہے ہم یورپ کے بڑے بڑے فلاسفروں، زبردست عالموں، مشہور مصنفوں اور ادیبوں کے اقوال و تصانیف سے وقتاً فوقتاً اس امر کو ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ ان سب کی نسبت ایسا عام گمان محض افترا اور بہتان ہے۔ گو ان میں سے فیصد دو چار لامذہب اور دہریئے بھی ضرور ہیں مگر ان کی مجاری تعداد کثیر، خدا کے وجود کی قائل اور اپنے عقیدے اور مذہب کی پکی اور راسخ الاعتقاد ہے۔

۲۔ اردو زبان میں اعلیٰ درجہ کے لٹریچر کا مذاق پیدا کرنا اور اس وقت ہمارے ملکی تعلیم یافتوں خصوصاً نوجوانوں کے خیالات پر جو خراب اثر گندہ ناولوں اور قصہ کہانیوں کی اشاعت سے پڑ رہا ہے اس کے اندفاع کی اور نیز اس امر کی کوشش کرنا کہ ادیب اردو زبان میں وہی رتبہ حاصل کرے جو ولایت کے میگزین و رسائل نینٹینتھ سنچوری، ریویو آف ریویوز، چیمبرس جرنل، نیچر وغیرہ کو حاصل ہے۔ ان ہی رسائل سے چیدہ آرٹیکل بھی نہایت سلیس اور عام فہم عبارت میں وقتاً فوقتاً ترجمہ ہوا کریں گے۔

۳۔ فلسفہ، اخلاق، تاریخ، طب، طبیعیات، تجارت صنعت و حرفت کے متعلق اعلیٰ مضامین لکھنا۔

۴۔ وقتاً فوقتاً ہر قوم اور ملک کے مشاہیر کی زندگی کے حالات شائع کرنا جس سے ہمارے ہم وطنوں کو معلوم ہو کہ ہمارے اسلاف کیا تھے اور ہم کیا ہوتے جاتے ہیں۔

۵۔ مختلف ملکوں کے باشندوں کے اخلاق، عادات طرز معاشرت وغیرہ کے دلچسپ حالات شائع کرنا۔

۶۔ نامور سیاحوں کے کارناموں کو اشاعت دینا اور ان کے ذریعہ سے ناظرین کو کبھی عرب کی مقدس سرزمین کبھی وسط ایشیا کے سبزہ زار و کوہستان، کبھی افریقہ کے ریگستان اور کبھی یوروپ اور امریکہ کے بارونق بلاد اور مشہور مقامات کی سیر کرانا۔

۷۔ ہر مہینہ کے یادگاری واقعات اور مفید معلومات کو فراہم کرنا۔

۸۔ علاوہ ولایت کے میگزین و رسائل کے ترجموں کے چیدہ چیدہ مضامین اردو کے نامی اخبارات و رسائل سے مثل اودھ اخبار، روزانہ پیسہ اخبار، اخبار عالم، چودھویں صدی، حبل المتین، رہبر، نیر اعظم، مفید عام، رجپوتانہ گزٹ، دکٹوریہ پیپر، ہندوستانی، رفیق نسیم، دبدبۂ دکن، معارف، مرقع عالم، الاسلام، تحفۂ حنفیہ اصلاح وغیرہ سے منقول ہوا کریں گے۔

۹۔ پرجوش نیچرل نظمیں قوم کے حسب حال لکھنا۔

۱۰۔ کتب مفید اور تصانیف جدید پر ریویو کرنا اور قابل قدر کتابوں کی اشاعت میں مدد دینا وغیرہ

"ہمارا ماٹو ہمیشہ یہ ہوگا فرسٹ ڈیزرو اینڈ دین ڈیزائر جن اجنبی الفاظ کے مفہوم کو ہمارے ایک ایشیائی شاعر نے کس خوب صورتی سے رنگین بیانی کے ساتھ اس شعر میں ادا کیا ہے ؎

حسن پیدا تو کر دو یوسف بازاری کا — حوصلہ جب تو کرے کوئی خریداری کا

صفحہ ۹ سے صفحہ ۱۴ تک ایڈیٹر کا ایک مضمون "فن اخبار نویسی" ہے۔ اخبارات کے قدیم تاریخی حالات، اخبار نویسی کی عزت و وقعت اور عظمت، یورپین اخبارات کی طاقت اور اس کی ہر طبقہ کے لوگوں کو ضرورت، جیسے اہم موضوعات ہیں۔ مضمون سے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیے:

لفظ نیوز چار حروف N-E-W-S سے مرکب ہے۔
حرف N علامت ہے NORTH کی جس کے معنی ہیں شمال
" E " " EAST کی جس کے معنی ہیں مشرق
" W " " WEST کی جس کے معنی ہیں مغرب
" S " " SOUTH کی جس کے معنی ہیں جنوب

اس طرح سے لفظ NEWS (خبر) کا مفہوم چار دانگ عالم پر حاوی ہے۔ یعنی جو خبریں کہ نوع انسان کی حالت سوشیل یا پولیٹیکل حالات وغیرہ کے متعلق ہم کو مشرق و مغرب شمال و جنوب دنیا کے ہر گوشہ سے پہنچیں ان کو نیوز کہتے ہیں۔ ان ہی خبروں کے مجموعہ کا نام اخبار ہے۔

جہاں تک کہ زمانہ حال کی تحقیقات سے ثابت ہوا ہے اس سے پایا جاتا ہے کہ سب سے پہلا اخبار[1] ایکٹا ڈیورنا (Acta Diurna) تھا جو کہ روما کے قدیم باشندوں نے حضرت عیسیٰ سے کئی صدی پیشتر جاری کیا تھا۔ اس کے بعد ایک اخبار ملک جرمن میں پندرھویں صدی میں شائع ہوا۔ روس میں پہلا اخبار ۱۷۰۳ء میں اور فرانس میں پہلا اخبار گزٹ ڈی فرانس نامی ۱۶۳۱ء میں اور انگلستان میں پہلا اخبار موسومہ ویکلی نیوز ۱۶۲۲ء میں جاری ہوا۔ کہتے ہیں کہ یہی اخبار ویکلی نیوز ۱۷۸۵ء میں ڈیلی یونیورسل رجسٹر کے نام سے تبدیل ہو کر ۱۷۸۸ء میں بلقب ٹائمز شائع ہوا، جس کا کوس شہرت آج تک تمام دنیا میں بج رہا ہے۔

"امریکہ جہاں کہ فی زمانہ اخبارات نے عجیب حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ ۱۷۰۴ء سے پہلے اخبار کا نام تک نہ جانتا تھا۔ سنہ مذکور میں بوسٹن نیوز لیٹر نامی پہلا اخبار شمالی امریکہ میں شائع ہوا۔ آج اس ملک میں صدہا اخبارات اور اعلیٰ درجہ کے میگزین اور رسالے چھپ رہے ہیں...."

صفحہ ۱۱ پر ذکاء اللہ (شمس العلماء خان بہادر) کا مضمون "نیچر" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ یہ ایک اعلیٰ درجہ کا لطیف اور اچھوتا مضمون ہے۔ مصنف کہتا ہے "میں نیچر (آفرینش) کی نظم کا شاعر بن کر نثر میں مضمون نگاری کرتا ہوں... اور کہتا ہوں کہ اس میں میرا سب کچھ ہے اور کچھ نہیں۔ یعنی زبان بالکل میری ہے اور خیالات مغربی و شرقی کامل حکماء و علماء و شعراء کے ہیں۔ خواہ وہ کسی سرزمین میں اور کسی زمانہ میں رونق افروز ہوئے ہوں۔ میرا مقصود اس انشاء پردازی سے یہ نہیں ہے کہ نیچرل سائنس (علوم طبیعیات) سکھاؤں بلکہ اصل مطلب یہ ہے کہ اردو زبان کے علم ادب میں انشاپردازی کی ایک نئی طرز و ادا کی بنا رکھوں اور اپنے ملک کا سرمایۂ دانش بڑھاؤں۔ اول چار عناصر سے مضامین کا آغاز کرتا ہوں جن سے ساری کائنات و مخلوقات بنی ہے اور وہ دنیا میں بہت سی قوموں کے دیوتا مانے جاتے ہیں۔ آگ کے بعد پھر ان پڑا اوتار ہے۔"

صفحہ ۱۸ سے ۲۱ تک "علامہ ابن خلدون" کی سوانح عمری درج ہے۔ مضمون نگار کی جگہ "ملخص" لکھا ہوا ہے۔ ابن خلدون ایک مشہور مسلمان مورخ تھا۔ مسلمانوں میں یہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے فلسفۂ تاریخ کی بنیاد ڈالی اور جزئی واقعات سے نتائج کلیہ کا استخراج کیا۔ اس مشہور مورخ کی کنیت ابو زید نام عبدالرحمٰن ابن محمد۔ ابن محمد ابن ابن حسن۔ ابن محمد۔ ابن جابر۔ ابن محمد۔ ابن ابراہیم۔ ابن عبدالرحمٰن۔ ابن خلدون الاشبیلی المغربی الحضرمی ہے۔ اور سلسلۂ نسب وائل ابن حجر تک پہونچتا ہے۔ یکم رمضان ۷۳۲ھ کو تونس میں پیدا ہوا۔ اس نے علامہ ابی عبداللہ محمد بن نزال الانصاری سے قرآن شریف بالقراٰت سبعہ اور کتب درسیہ، فن نحو، معانی، تفسیر، فلسفہ، منطق، ریاضی، حساب وغیرہ پڑھا۔ مصر میں ۸۰۷ھ یا ۸۰۸ھ میں رحمت الٰہی سے جا ملا۔

صفحہ ۲۱ سے ۲۲ تک "سال نو کا خیر مقدم" کے زیر عنوان نہال احمد علوی حمیدی نے قارئین کی توجہ اس طرف دلائی ہے کہ ۱۸۹۸ء کو خوش دلی اور نیک نامی کے ساتھ الوداع کہنا چاہئے اور بہت ہشیار و تجربہ کار ہو کر ۱۸۹۹ء کے دربار میں ویلکم کہنے کے لیے حاضر ہونا چاہیے۔

"صاحبا عمر عزیز است غنیمت دانش گوئی خیرے کہ توانائی ببر از میدانش"

صفحہ ۲۸ سے ۳۲ تک "ترکستان کے باشندے اور ان کی عادتیں" کے زیر عنوان اڈیٹر نے ایک مضمون ترجمہ کیا ہے اس میں ترکستان کے باشندوں کے بارے میں مفصل بیان دیا گیا ہے۔ ان کے وضع قطع، پوشاک، مکانات، خوراک، رسم و رواج اور مذہب جیسے اہم پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

صفحہ ۳۳ سے ۳۴ تک اڈیٹر نے "عجائبات عالم" ترجمہ کیا ہے اس میں "دنیا میں سب سے بڑا نقشہ" "دنیا میں سب سے بڑا پل" "دنیا میں سب سے بڑی نہر" "دنیا میں توپ کے نشانہ کا سب سے زیادہ فاصلہ" اور "دنیا میں سب سے بڑا کتب خانہ" جیسے عنوان کے تحت معلومات فراہم کی گئی ہے۔

صفحہ ۳۵ سے ۳۶ تک "دلچسپ لطیفہ نکات" کی سرخی ہے جسے اڈیٹر نے ترجمہ کیا ہے۔ نکات کے عنوانات درج ہیں۔ (الف) متعلق بہ علم ہیئت "کیا آفتاب فی الذات سرد ہے؟" "ایک نیا ستارہ" (ب) متعلق بہ علم الارض۔ (ج) متعلق بہ علم نباتات۔ صفحہ ۳۷ پر "کارآمد

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

[1] چونکہ یہ تحقیق ۱۸۹۸ء کی ہے۔ اس کے بعد سے اب تک تحقیق کا سلسلہ جاری رہا ہے اس لیے میں اس سلسلے میں کوئی نیا انکشاف جاننا چاہتا ہوں اہل تحقیق حضرات توجہ فرمائیں (م۔ ج۔ ق)

پھر رباب و چنگ کی باتیں کرو

سلام مچھلی شہری

ہند و پاکستان کے اہلِ قلم! امن کی راہوں میں پھولوں کی قسم
"تاشقند اعلان" ہے پہلا قدم آؤ سر کرلیں ذرا منزل بھی ہم
ہند و پاکستان کے اہلِ قلم

تم سے وابستہ ہے اُمّیدِ عوام اس لیے تم سے مخاطب ہے سلام
ہے بلند از مصلحت دل کا مقام ہم کو رکھنا ہے محبت کا بھرم
ہند و پاکستان کے اہلِ قلم

جو ہوا وہ بھول جانا ہے ہمیں از سرِ نو دل ملانا ہے ہمیں
اُمن کی جنت سجانا ہے ہمیں زر فشاں ہے پھر محبت کا علَم
ہند و پاکستان کے اہلِ قلم

ختم دورِ جنگ کی باتیں کرو نور و نکہت، رنگ کی باتیں کرو
پھر رباب و چنگ کی باتیں کرو ہاں مسلسل رقص ہائے جامِ جم
ہند و پاکستان کے اہلِ قلم!

آمدِ صبحِ بہاراں، زندہ باد نکہت و نورِ گلستاں زندہ باد
اے محبت کیش انساں زندہ باد چاند بھی چومے گا اب تیرے قدم

آزمائش

سید فضل المتین

خلوصِ باہمی کے، دلکشا ماحول سے کیسی خبر آئی
ہوا رخصت
وہ دانائے رموزِ فطرتِ ہستی
وہ دانشور، سیاست داں
عظیم انساں
وقارِ آدمیت کا مراں جس سے
مورخ جس کے کردار و تدبر کا
سنہرا باب لکھے گا
نئی تاریخ جس کو یاد رکھے گی
خلوصِ باہمی کے، دلکشا ماحول سے کیسی خبر آئی
نوید امن و راحت سے
مرے اہلِ وطن کے مسکراتے، جگمگاتے، اٹھتے چہرے
ہوئے غمگیں، افسردہ، سوگوار و اشک آلودہ
سکوں آمیز لمحوں میں یہ کیسا انقلاب آیا
ہر اک ذہنِ رسا پھر سے ہوا بوجھل
مسائل از سرِ نو پھر ہوئے پیدا
بتا اے سرزمینِ امن و راحت! پھر یہ کیسی آزمائش ہے
یہ دورِ پر امیدی کن تقاضوں سے عبارت ہے

یاد کی خوشبو

کرشن موہن

تیری دلجو یاد کی خوشبو
آنگن کے پھولوں میں ہنسی ہے
من میں بسی ہے
یہ تیری مسکان کا جوبن
یہ میری پہچان کا درپن
میرا تن من تیری چنچل یاد کا درپن
چھایا تیرے پیار کا جادو
ہر دم، ہر سُو
پھیلی تیری یاد کی خوشبو

سفر سے لوٹنے والو!

کمار پاشی

سفر سے لوٹنے والو کہو
تم نے تو دیکھے ہیں وہ موسم
جن کی خوشبو پا کے میں بے چین ہوں
آوارگی میری
لیے پھرتی ہے مجھ کو صحرا در صحرا
مری تقدیر میں لکھا ہے اپنے آپ سے ناآشنا رہنا
مجھے بتلاؤ میرے خون میں یہ زہر کس کا ہے
مجھے وہ نام بتلاؤ جو میری روح پر لکھا ہے حرفِ جاوداں بن کر
بھلا وہ کون ہے جو مت نئے بہروپ بھرتا ہے
ہوا بن کر جو مرتا ہے
لہو بن کر جو زندہ ہے
سفر سے لوٹنے والو!
سفر سے لوٹنے والو کہو۔۔

بازگشت

واحد علی باسنگے

گم ہوا جاتا ہے آفاق میں
دھیرے دھیرے
میرا نغمہ
مرے لہجے کا طلسمی انداز
"بازگشت" اس کی مگر
اب بھی ہے قیدِ سماعت کے حسین زنداں میں
لیکن اک روز
یہ زنداں بھی ڈھانے ہوں گے

ونوبھاجی اور اردو

اردو والوں کو میں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ اگر وہ اردو زبان کو قائم رکھنا چاہتے ہیں اور وہ چونکہ عمدہ زبان ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اردو کے اچھے اچھے الفاظ ہندی میں داخل ہو جائیں اور اردو کی مدد سے ہندی اچھی بنے اردو اور ہندی میں خاص فرق نہیں ہے۔ اور یہ چاہتے ہیں کہ اردو کے اچھے اچھے الفاظ ہندی میں قائم رہیں تو اردو زبان کو ناگری حروف میں لکھنا چاہئے نہیں تو اردو ہندوستان میں ٹکے گی نہیں۔ دیہات میں بولنے میں تو ٹکے گی بالکل تھوڑے ہیں اچھے معنی ظاہر کرنے والے الفاظ اردو میں ہیں ہندی میں نہیں ہیں یا یوں دیکھا جائے تو ہندی میں روز بروز سنسکرت کے الفاظ زیادہ آئیں گے دن بدن سنسکرت الفاظ کا ہندی میں آنا بڑی بات نہیں ہے۔ لیکن کہاں آنا چاہیے؟ اصطلاحوں میں سنسکرت کا استعمال ہو سکتا ہے۔ لیکن اور مقامات پر اس کی بھرمار کیوں ہو؟ اب "کوشش" کتنا اچھا لفظ ہے اس کی جگہ "پریتن" غلط ہے۔ وہ بھی اچھا ہے لیکن دقت ہے۔ بعوض "کتنا اچھا لفظ ہے" اس کی جگہ ... مختصر یہ کہ ایسے ایسے اچھے الفاظ ہیں وہ سب ہندی میں سے نکل جائیں گے۔ اگر ناگری میں اردو نہیں لکھی جائے گی۔ یہ نہیں کہ اردو اردو میں نہ لکھی جائے۔ لیکن دونوں میں لکھی جائے۔

پاکستان میں ... تین باتوں کا زبردست نقصان ہوا۔ دنیا کی اعلیٰ زبانوں میں ایک پنجابی تھی اس کے دو ٹکڑے ہوئے پنجابی کے دو ٹکڑے ہو گئے اور اردو کے دو ٹکڑے ہو گئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ادھر اردو کی جگہ دن بدن ہندی لے رہی ہے اور یہاں اردو والے کوشش کر رہے ہیں اردو کے لیے وہاں مغربی پاکستان میں چار اور زبانیں ہیں پشتو، بلوچی، سندھی، اور پنجابی۔ وہاں چاروں زبانوں پر اردو والے ... ایک کیوں کر رہے ہیں؟ اس لیے کہ ادھر مشرقی پاکستان میں ایک بنگالی زبان ہے۔ تو ادھر اگر مغرب میں چار ... مغربی پاکستان کمزور ہوگا اس لیے وہاں ایک اردو زبان کر چاہتے ہیں مشرقی پاکستان ... اردو ... کی کوشش کی لیکن ... یہ دو پاکستان ... تو ایک بہت فکر کا موضوع ہو جاتا ہے۔ تو اردو کو آگے بڑھانا ہو ... ناگری میں لکھنا چاہیے اردو کا خیر ہونا چاہئے۔ جیسے اردو کے الفاظ ہندی میں آئیں گے ویسے ہی ہندی کے الفاظ بھی اردو میں لینا چاہئے اس طرح دونوں مل کر ایک زبان ہوگی۔ اور پھر ہندوستان بھر میں چلے گی۔ اس بات میں رکاوٹ پیدا ہوگی۔ اگر ہندی ناگری میں لکھی جائے اور اردو اردو میں۔ قرآن شریف ... ناگری میں چھپ سکتا ہے۔ قرآن شریف میں آسانی سے پڑھ سکتا ہوں کیونکہ اردو میں ہندی کے کچھ الفاظ مشکل ہو جاتے ہیں جیسے ... اور ... نہیں اردو میں ... چھاپ سکتے۔ ان کو ... کرکے چھاپنا ہوتا ہے اس لیے آپ ناگری میں لکھنا شروع کر دیں۔ میں نے ایک کتاب بچپن میں پڑھی تھی اس کا نام "گویا ہندی" ... اس میں اردو اشعار ناگری میں چھاپے گئے تھے تب میں نے پڑھا ... اگر اردو کی وہ شاعری اردو میں ہی لکھی ہوتی تو میں پڑھ ہی نہیں سکتا۔ لیکن ناگری میں تھی ... پڑھ سکا ... دوسری کتاب میں نے حسن میاں کی قرآن شریف پڑھی تھی جس میں قرآن شریف کا ہندی ترجمہ دیا ہے اور اردو ترجمہ ناگری میں چھپا ہے۔ تب قرآن شریف پڑھنے کا موقع ملا پھر وہ کتابیں فارسی شاعری پر ناگری میں پڑھیں پھر تو میں نے ذرا عربی، اردو زبانیں سیکھیں اور آگے رسم خط بھی۔ پھر تو قرآن شریف کو عربی رسم خط میں کئی بار پڑھا۔ وہ میری اپنی کوشش تھی لیکن میری کوشش کے بغیر مجھے عربی فارسی کا علم تھا۔ اگر وہ کتابیں ناگری میں چھاپی جائیں۔

ایک مثال اور دے سکتا ہوں نیپالی زبان ناگری میں لکھی جاتی ہے تو میں نے ایک نیپالی لغت لی۔ اور گھر بیٹھے نیپالی سیکھ لی تو یہ بات آپ کو دھیان میں رکھنی چاہیئے۔ (قومی آواز)

صفحہ ۴ سے آگے

سطورات" صفحہ ۳۸ پر ایجاد و اختراع "صنعت و حرفت وغیرہ" صفحہ ۳۹ پر متفرق علمی و فنی نصیحت وغیرہ" کی سرخی ہے۔ صفحہ ۴۱ پر چند قیمتی باتیں" کے تحت ۸ اقوال پیش کئے گئے ہیں۔

صفحہ ۴۱ سے ۴۲ تک کسی ... صاحب کی نظم "نصیحت" کی سرخی کے ذیل میں ایک نظم ہے۔ اشعار کی تعداد ۵۱ ہے۔ پورے رسالے میں یہی ایک نظم ہے۔

صفحہ ۴۳ سے ۴۵ تک "یادگاری واقعات" کے تحت ماہ دسمبر ۱۸۹۸ء کے مہینہ کے واقعات کا حال درج ہے۔

صفحہ ۴۵ اور ۴۶ پر "ریویو" کی سرخی کے ذیل میں ایک کتاب "بحر الحیات" اور ایک رسالہ "بصائر" پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

کتاب بحر الحیات:۔ یہ کتاب ازالۂ ... وبائی میں حکیم اصغر علی صاحب کی تالیف ہے۔ جو فیروز آباد کے مشہور حکیم امیر علی صاحب مرحوم کے پوتے ہیں۔ ... مولف نے اس کتاب کو نہایت سلیس اردو میں لکھا ہے اور ہیضہ کے اقسام علامات و اسباب علاج کا بیان نہایت شرح و بسط کے ساتھ حسب یونانی کیا ہے ... یہ کتاب مطبع حسینی آگرہ میں بہت صاف اور واضح ۴۴ صفحے پر چھپی ہے۔ قیمت ۲/ محصول ڈاک ۱/ ..."

رسالہ بصائر:۔ یہ ایک ماہواری اسلامی رسالہ ہے جو دفتر شمسی ایجنسی، چاول منڈی، چوک کانپور سے باہتمام مولوی بقا حسین خاں فلکی نجم عالیجاہ شائع ہوتا ہے ... اس کے مقاصد یہ ہیں:۔ اسلامی فرقوں کے باہمی نزاعات کو شائستہ عنوان سے دور کرنا اور ان کے مفید تدابیر بتلانا، کیمیا، اوراق، تصعید، خضاب، تریاق، عروق وغیرہ کی نادر ترکیبیں بتلانا، عملیات و تکسیرات و فلکیات یعنی تاثیر کواکب وغیرہ کے مفید ہونے پر بحث کرنا اور اس امر کا اظہار کہ شریعت اس کی کہاں تک جائز ... ہے اور جھوٹے شعبدہ باز فقروں نے اس میں کس درجہ غلط بحث کیا ہے قطعات تاریخ ولادت ... تعلیقات وفات و مقابر و مساجد بھی فرمائش کرنے پر درج ہوتے ہیں۔ رسالہ کی سالانہ قیمت ... ہے۔"

۴۶ صفحات کا ادیب کا یہ شمارہ ضخامت میں کم ہونے کے باوجود اپنے اندر بہت سی معلومات رکھتا ہے۔ اس کے ایڈیٹر ... معلوم ہوتے ہیں۔ ادیب پورے ایک سال نکل کر بند ہو گیا تھا۔

معاصلات

ایں ہم بر سر......

یکم دسمبر ۱۹۶۵ء کے ہماری زبان میں اصغر گونڈوی کا ایک غیر مطبوعہ خط" شایع ہوا ہے۔ میں ذاتی طور سے اصغر صاحب مرحوم سے واقف نہیں ہوں اس لیے اصغر صاحب کے متعلق کچھ عرض کرنے کا اہل نہیں ہوں۔ صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اگر غیر مطبوعہ خط سے یہ مطلب ہے کہ یہ خط ان کے کسی مجموعہ میں شایع نہیں ہوا ہے تو شاید یہ بات صحیح ہو بشرطیکہ ان کا کوئی ایسا مجموعہ شایع ہوا ہو جو ان کے مکتوبات پر مشتمل ہو۔ ورنہ یہ خط سکینہ صاحب کے نام سے چند بڑی امرتسر میں شایع ہو چکا ہے۔ کئی سال ہوئے اس بات کو۔ یہ تو ایک ضمنی بات تھی عرض کرنا یہ ہے کہ اس خط میں اصغر صاحب نے ایک ضرب المثل لکھی ہے "ایں ہم بر سر الم" اس کے متعلق میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس کا املا اور اس کا مطلب کیا ہے یہ ضرب المثل کے علاوہ کوئی تلمیح بھی ہے یا نہیں۔ اس سلسلے میں میں نے جو کچھ سنا ہے وہ یہ ہے کہ اس کا املا اس طرح ہے "ایں ہم بر سر علم"۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی واعظ نے بیان کیا کہ قیامت کے روز ایک علم کھڑا کیا جائے گا اور جن درزیوں نے جو جو کپڑے چرائے ہوں گے وہ سب اس علم پر لٹکائے جائیں گے اس طرح ان کی رسوائی ہو گی یہ وعظ سن کر ایک درزی نے کپڑا چرانا چھوڑ دیا لیکن ایک دن ایک ایسا کپڑا آگیا کہ وہ اپنی توبہ پر قائم نہ رہ سکا اس نے کپڑے میں سے ٹکڑا اچا لیا اور کہا "ایں ہم بر سر علم" جہاں اور بہت سے کپڑے علم پر ہوں گے یہ بھی سہی۔ امید کہ کوئی صاحب اس پر مزید روشنی ڈالیں گے۔

(میکش اکبر آبادی)

میکش صاحب نے درست فرمایا ہے۔ صحیح "ایں ہم بر سر علم" ہے۔ سکینہ صاحب سے نقل کرنے میں غلطی ہو گئی۔ قصہ بھی یہی مشہور ہے۔

(ادارہ)

مثنوی سحر البیان کا ایک قلمی نسخہ

مجھے ابھی حال میں، میرے ایک کرم فرما پی۔ سی۔ جین[1] صاحب نے اپنے یہاں کی قلمی کتابوں میں سے میر حسن دہلوی کی مشہور زمانہ مثنوی "سحر البیان" کا قلمی نسخہ دکھایا۔ یہ نسخہ بعض وجوہات کی بنا پر اہمیت رکھتا ہے۔

[1] پی سی جین چیرمین کوٹھاری ہاؤس موتی کٹرہ آگرہ

اس نسخہ کی کتابت نہایت روشن اور صاف ہے اور اس کا کاتب اپنے وقت کا کوئی اعلیٰ پایہ کا خوشخط معلوم ہوتا ہے

اس نسخہ میں کاغذ نہایت دبیز، چکنا اور عمدہ استعمال کیا گیا ہے۔ اس نسخہ کا طول ۱۲ انچ اور عرض ۸ انچ ہے یہ نسخہ ۱۶۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

اور اس نسخہ کی ایک اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ مثنوی ہذا سے متعلقہ اس میں ۱۳ تصاویر ایسی شامل ہیں جو نہ صرف مثنوی کے بعض موضوعات کی عکاسی کرتی ہیں۔ بلکہ طلائی اور نقرئی کام سے مزین ہونے کے ساتھ کسی اعلیٰ ہنرمند کے مو قلم کی کاوش کا بیش بہا نتیجہ ہیں۔

دیگر ضروری تفصیلات حسب ذیل ہیں۔

اوّل ورق سادہ ہے اور صفحہ ۳ پر بھی کوئی تحریر نہیں ہے۔ صفحات نمبر ۴ اور ۵ کی زمین طلائی کام سے مزین ہے اور صفحہ نمبر ۴ کی پیشانی پر نہایت اعلیٰ طلائی نقش و نگار بنائے گئے ہیں اور اسی صفحہ سے مثنوی کا آغاز ہوتا ہے۔ شروع میں "رب یسر" "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" "تمم بالخیر" تحریر ہے۔ پھر مثنوی کا مندرجہ ذیل شعر

کروں پہلے توحید یزداں رقم
جھکا جس کے سجدہ کو اوّل قلم

اور اس کے بعد تمام و کمال وہ مثنوی درج ہے جو عام طور پر طبع شدہ صورت حال میں ملتی ہے۔

آخر میں یہ عبارت تحریر ہے۔

تمت ہذا الکتاب بعون الملک الوہاب موسوم بہ مثنوی سحر البیان معروف بہ بدر منیر من تصنیف میر حسن دہلوی بتاریخ یازدہم شہر ربیع الاوّل سنہ یکہزار و دو صد و ہفتاد و دو یک سن الہجری النبوی صلعم چوں بندہ ضعیف نحیف حسن علی بیگ ساکن قصبہ چاکلیانہ حسب فرمائش مجمع مروت منبع اوصاف مہذب الاخلاق مصدر الالطاف معدن جود و کرم مخزن خوبیہای اتم مظہر الحیا والحلم نیکو خصال مولا ہمہ سراپا فتوت و احسان قدر شناس عظیم الامتنان دریا دل بلند اقبال بخت یاور خجستہ اعمال چودھری چندر سین اطال عمرہ و زاد اللہ قدرہ قانون گوئی پرگنہ چکلیانہ و داد رسی کہ فی زمانہ حال بین حسن نیت و برکت نیک طینت مدار الہام و مرجع انام خاص و عام ریاست پرگنہ مذکور اند باتمام رسانیدہ

مصرع: نگہدار یارب بلطف خویش

الٰہی تا جہاں باشی با قبال
جواں دولت جواں بخت و جواں سال

مثنوی سحر البیان کا سن تصنیف

۱۱۹۹ھ ہے اور اس نسخہ کا سن کتابت ۱۲۷۱ھ ہے اس طرح اس نسخہ کی کتابت اور تصنیف میں صرف ۷۲ سال کا فرق ہے

(سید فضل المتین)

"ہماری زبان" سے گزارش

کیا یہ ممکن ہے کہ ہماری زبان کے صفحات میں ایک ایسا سلسلہ شروع کیا جائے جس سے اردو الفاظ کے صحیح SHADE (باریک فرق) سے لوگ آگاہ ہو سکیں، جس طرح انگریزی ڈائجسٹ میں ہوتا ہے۔ اردو میں جو لغات دستیاب ہوتے ہیں ان سے الفاظ کا تشریحی پہلو واضح نہیں ہوتا، انگریزی میں تشریحی لغت موجود ہے، اسی طرز پر ہر شمارہ میں لفظ کا صحیح SHADE، اس کا تلفظ، صحیح استعمال اور تشریحی معنی دے جائیں، انگریزی کی طرح اردو میں بھی کافی مترادف الفاظ ہیں ان کے صحیح طریقۂ استعمال سے واقفیت پیدا کرائی جائے، جیسے ذوق اور شوق میں کیا فرق ہے علاحدہ علاحدہ کس طرح استعمال میں آتا ہے۔

اس کے علاوہ اردو تنقید میں نئی نئی اصطلاحیں رائج ہو رہی ہیں، ان الفاظ کے صحیح تشریحی معنی دئے جائیں، ان پر نوٹ بھی دیا جا سکتا ہے، انگریزی مترادفات کیا ہیں انھیں بھی پیش کیا جانا چاہئے اور سال کے آخر میں ان کا ایک مجموعہ شایع کیا جائے انجمن ترقی اردو کی جانب سے یہ کام ہو تو اس میں ایک وزن ہوگا اور یہ ایک مستند چیز شمار کی جائے گی اور پھر اس کے استعمال میں یکسانیت پیدا ہوگی، مستند اصطلاحات منظر عام پر آئیں گے اور انہی کا استعمال زیادہ صحیح سمجھا جائے گا۔ ورنہ ہر ناقد اپنے حساب سے اصطلاح تیار کرکے پیش کرے گا تو اس میں پیچیدگی بھی پیدا ہوگی اور یکسانیت کے حسن کا خون ہوگا، اگر اس کام کو باضابطہ شروع نہیں کیا جا سکتا ہے تو بے ضابطہ ہی شروع کیا جائے یعنی اگر ہر شمارہ میں مسلسل مواد فراہم نہیں کیے جا سکتے تو گاہے گاہے بھی مفید چیز رہے گی۔

(سید حمید الحق رضا)

یہ ایک اچھی تجویز ہے۔ صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے

(ادارہ)

اردو کے مصنفین اور ناشرین سے گزارش

اردو کے مصنفین، قارئین، اور ناشرین سے گزارش ہے کہ ۱۹۹۵ء کی اردو مطبوعات کے تفصیلی جائزے کی تدوین کے سلسلے میں اعانت فرمائیں اس جائزے میں ہر قسم کی کتابیں شامل ہوں گی مگر تفصیلی تبصرہ صرف ان کتابوں پر ہوگا جو ادبی اہمیت کی ہوں گی۔ اس ضمن میں مطبوعات کی فہرستیں حاصل کر لی گئی ہیں لیکن اس کا امکان ہے کہ بعض مطبوعات شامل ہونے سے رہ گئی ہوں۔ اس لیے جملہ ناشرین اور مصنفین سے تعاون کی درخواست کی جاتی ہے۔ معلومات مندرجہ ذیل پتہ پر ارسال فرمائی جائیں۔

محمد حسن

۱۴۰۹/ ۵ ماڈل ٹاؤن دہلی ۹

خمخانۂ جاوید اور خطوط غالب کے مسودے

خمخانۂ جاوید کی ترتیب کا کام کیفی دہلوی کے سپرد ہوا تھا انھوں نے پانچویں جلد شائع بھی کی۔ کیا کوئی بزرگ بتا سکیں گے کہ باقی مواد اس تذکرے کا کہاں ہے!

مولوی مہیش پرشاد نے غالب کے خطوط کا بہت سا مواد جمع کیا تھا اور حواشی لکھنے کا کام بھی شروع کیا تھا۔ ان مسودوں کے بارے میں بھی اگر کوئی بزرگ روشنی ڈال سکیں تو شکر گزار ہوں گا۔

(اکبر علی خاں)

یہ غزل کس کی ہے

ایک غزل کے صرف پانچ اشعار مل سکے جو درج ذیل ہیں یہ غزل کوئی پچاس برس پہلے شمالی ہند کے قوال اکثر گایا کرتے تھے لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ یہ غزل کس کی ہے۔ اگر کسی صاحب کو معلوم ہو تو مہربانی سے ذریعہ ہماری زبان اطلاع دیں۔

جب حسن ازل پردۂ امکان میں آیا ہر رنگ بہ ہر رنگ ہر اک شان میں آیا
حرمت سے ملائک نے اسے سجدہ کیا تھا جس وقت کہ وہ صورت انسان میں آیا
گل ہے وہی بلبل ہے وہی نرگس حیراں اپنے ہی تماشے کو گلستان میں آیا
اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن مذکور یہی آیت قرآن میں آیا
قانون وہی ساز وہی طبلہ وہی ہے ہر تار میں بولا کہ ہر اک تان میں آیا

(فرید احمد جمود)

پنجاب میں اردو

پنجاب میں اردو کے ساتھ انصاف نہیں ہو رہا ہے، ہندی پنجابی کا ہی ہمیشہ رونا رہتا ہے۔ اگر سارے پڑھے لکھوں کا حساب نکالا جائے تو اردو جاننے والے ہندی پنجابی سے زیادہ ہیں۔ اخبار رسالے آج بھی اردو میں زیادہ شائع ہوتے ہیں اردو کو کیوں ایک طبقہ کی زبان سمجھا جاتا ہے۔ یہ تو سب کی مشترکہ زبان ہے پنجابی زون، ہندی زون پہاڑی زون ان میں اردو کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

ہریانہ کا جاٹ اپنی تقریر اردو میں کرتا ہے۔ سکھ اردو میں پہاڑی لیڈر اردو میں۔ لیکن رونا الگ الگ کرتے ہیں۔ اگر اردو کو اس کا جائز حق نہیں ملا۔ تو انجمن ترقی اردو پنجاب اس کے لیے قدم اٹھائے گی۔

مہابیر پرشاد مثل شاد

۱۔ مثنوی باد بہر دل فدا۔ از مرزا قتیل ۱۱۹۹ھ

اردو ٹریننگ کالج ویجاپور ضلع اورنگ آباد سے پھر کھول دیا گیا

انجمن ترقی اردو (ہند) مہاراشٹر کی کوششیں بار آور ہوئیں

پچھلے سال اردو ٹریننگ کالج ویجاپور طالب علموں کی کمی کے عذر سے بند کردیا گیا تھا۔ اس نامناسب حکم کے خلاف انجمن ترقی اردو مہاراشٹر نے کمشنر لنگوسٹک منارٹیز حکومت ہند سے احتجاج کیا تو جناب مصرا اسسٹینٹ کمشنر لنگوسٹک منارٹیز نے اورنگ آباد تشریف لاکر جناب سکندر علی وجد صدر انجمن ترقی اردو مہاراشٹر اور جناب آپٹے ڈپٹی ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن مرہٹواڑہ سے اس مسئلہ پر تبادلہ خیال کیا۔ جناب آپٹے نے یقین دلایا کہ اس سال میں امیدوار بھی آجائیں تو اردو ٹریننگ کالج پھر کھول دیا جائے گا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتایا کہ حکومت مہاراشٹر اردو کی تعلیم کا انتظام کرنے میں کافی دلچسپی لے رہی ہے۔ اسی سلسلے میں صدر انجمن ترقی اردو مہاراشٹر نے ۲۶ ر فروری ۱۹۶۶ء کو جناب چودھری وزیر تعلیم حکومت مہاراشٹر سے بھی ملاقات کی۔ وزیر موصوف نے اس تصفیہ کی توثیق کرتے ہوئے فرمایا کہ امیدواروں کی سہولت کے پیش نظر یہ اطلاع اخبارات میں شائع کردی جائے۔ اردو ٹریننگ کالج ویجاپور کا تعلیمی سال جون سے شروع ہوتا ہے اس لیے امیدواروں کو چاہیے کہ ۳۱ ر مارچ ۱۹۶۶ء تک اپنی اپنی درخواستیں ڈپٹی ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن، مرہٹواڑہ، اورنگ آباد کو بھیج دیں اور اس کی ایک ایک کاپی جناب سکندر علی وجد، صدر انجمن ترقی اردو مہاراشٹر پن چکی روڈ، اورنگ آباد کو بھیج دیں تاکہ مزید سہولتیں مہیا کرنے کی کوشش کی جاسکے۔

شاہد علی خاں

(جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) مہاراشٹر)

شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی میں کرشن چندر، بیدی کے اعزاز میں ادبی جلسہ

دلی ۱۳ ر مارچ۔ آرٹس فیکلٹی دہلی یونیورسٹی کے سیمینار روم میں شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی کی طرف سے اردو کے ممتاز ناول و افسانہ نگار کرشن چندر اور راجندر سنگھ بیدی کے اعزاز میں ایک غیر معمولی ادبی نشست ہوئی۔

ڈاکٹر شمیم نکہت نے مختصر تقریر کے ذریعہ مہمانوں کا استقبال کیا اور پروفیسر ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی صاحب نے اپنی دلنشیں تقریر کے ذریعہ نشست کا آغاز کیا۔

راجندر سنگھ بیدی نے جنھیں امسال ساہتیہ اکیڈمی کی طرف سے انعام دیا گیا ہے۔ پہلے اپنا وہ مختصر مضمون پڑھا جو انھوں نے راج بھون کی تقریب میں انعام قبول کرتے وقت پڑھا تھا۔ اور ایک افسانہ "جوگیا" سنایا۔

بیدی کے بعد کرشن چندر نے اپنی داستانِ حیات کا ایک عجیب باب اور سجاد ظہیر نے "امن کا ساگر" نظم سنائی۔

اس کے بعد کرشن چندر و بیدی نے "ادب، فن، افسانہ اردو" کے متعلق حاضرین کے سوالات کے جواب میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

آخر میں ڈاکٹر محمد حسن ریڈر شعبۂ اردو نے معزز مہمانوں کا شکر ادا کیا۔ (سعادت صدیقی)

اردو کو سرکاری علاقائی زبان قرار دینے کا مطالبہ جائز اور حق بجانب ہے — آندھرا کے وزیر مال کا اعلان

حیدرآباد ۱۱ ر مارچ۔ آندھرا پردیش کے وزیر مال ڈاکٹر ایم چنا ریڈی نے اعلان کیا ہے کہ آندھرا پردیش میں اردو کو علاقائی زبان کا قانونی موقف عطا کرنے کا مطالبہ جائز اور حق بجانب ہے ڈاکٹر ایم چنا ریڈی قانون ساز کونسل میں ریاستی بجٹ بابت ۶۷-۱۹۶۶ء پر عام بحث کا جواب دے رہے تھے جناب جی ر مہا چیرمین کونسل نے صدارت کی۔

وزیر مال نے اپنی تقریر کے دوران اردو کے علاقائی موقف کا ذکر کیا اور اس بات کی وضاحت کی کہ اردو والوں کی جانب سے اردو کو سرکاری زبان قرار دینے کا مطالبہ نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ اردو کو دوسری علاقائی زبان قانونی طور پر تسلیم کرنے کا حق بجانب مطالبہ کیا جا رہا ہے انھوں نے بتایا کہ تلگو کو نظم ونسق کی زبان بنانے کے لیے لسانی بل پیش کیا جا رہا ہے یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ اردو والے بھی اردو کو نظم ونسق کی سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ کر رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اردو والوں کا مطالبہ یہ ہے کہ اردو کے دوسری علاقائی موقف کو قانونی شکل دی جائے۔

ڈاکٹر ایم چنا ریڈی نے کونسل میں مولانا ابو یوسف اور جناب ہیرالال موریا کی اردو کی حمایت میں کی جانے والی تقاریر کی ستائش کی اور کہا کہ یہ تقاریر سنجیدہ تھیں اور ان تقاریر میں جمہوریت کی روح اور معقولیت کی اسپرٹ کارفرما تھی انھوں نے کانگریس سے اس کی حمایت میں کی جانے والی تقاریر کے لب ولہجہ اور استدلال کی ستائش کی۔ اور کہا برعکس اس کے مجلس اتحاد المسلمین اور دوسرے مسلمان اداروں کی طرف سے جب اردو کی تائید وحمایت کی جاتی ہے تو قدرتی بات ہے دوسری زبان والے اس کو فرقہ وارانہ نوعیت کا مطالبہ سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے اردو زبان جیسے غیر فرقہ وارانہ مسئلے کو شدید نقصان پہنچتا ہے انھوں نے مزید کہا کہ اردو کسی فرقہ یا مذہب کی زبان نہیں ہے بلکہ مختلف فرقوں کے میل ملاپ کی زبان ہے

(سیاست)

"ہماری زبان"

سے خط وکتابت کرتے وقت اپنا نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیں۔

خالصہ کالج میں راجندر سنگھ بیدی کا استقبال

اردو کے مشہور افسانہ نگار راجندر سنگھ بیدی کو ان کے ناولٹ "ایک چادر میلی سی" پر ساہتیہ اکاڈمی کا ۱۹۶۵ء کا اردو انعام ملنے پر خالصہ کالج دہلی یونیورسٹی کی بزم ادب نے ان کے اعزاز استقبال میں بڑے پیمانے پر ایک جلسہ منعقد کیا اس موقع پر ان کے ہمعصر اردو کے دوسرے مشہور افسانہ نگار کرشن چندر، ترقی پسند تحریک کے بانی سجاد ظہیر اور مشہور شاعر غلام ربانی تاباں بھی مدعو تھے۔ جلسے کی صدارت سجاد ظہیر صاحب نے کی۔ جلسے کا افتتاح کرتے ہوئے صدر شعبۂ اردو جناب شہاب جعفری نے مہمانوں کا تعارف کرایا، ساہتیہ اکاڈمی انعام کی نوعیت اور اہمیت کا ذکر کیا اور اردو ادب میں بیدی کے مقام اور ان کے فن پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس کے بعد بزم ادب کے صدر عبدالرحمٰن، نائب صدر سلطان پرویز قریشی، سکریٹری محمد خورشید عالم اور بزم ادب کے نگراں جناب شہاب جعفری نے مہمان خصوصی کو ہار پہنائے۔ رسم گل پوشی کے بعد سلطان پرویز نے ہدیۂ سپاس پیش کیا جس میں کہا گیا کہ "آپ کو یہ انعام دے کر ساہتیہ اکاڈمی نے دراصل خود اپنے ذوقِ انتخاب کی داد چاہی ہے جس کے ہم برسوں سے منتظر تھے۔۔۔۔ تقریباً دو سال قبل اسی بزم ادب نے اظہار عقیدت کے طور پر آپ کی پچاسویں سالگرہ کا جشن منایا تھا۔۔۔۔ ہمیں آپ پر ناز ہے آپ کو اردو پر ناز ہے اور اردو کو سرزمین پنجاب پر ناز ہے کہ جس کی زرخیز مٹی نے اردو کے چھتنار درخت کی صدیوں سے نشو و نما کی ہے۔"

ہدیۂ سپاس پیش ہونے کے بعد کرشن چندر نے بیدی کے فن پر ایک ہمعصر ادیب کی حیثیت سے بصیرت افروز تقریر کی۔ اس کے بعد بیدی نے اپنے ناولٹ اور اپنے فن کے بارے میں خیالات کا اظہار کیا۔ آخر میں سجاد ظہیر صاحب نے بیدی کی افسانہ نگاری پر تقریر کی۔ جلسے کے اختتام پر جناب شہاب جعفری اور جناب غلام ربانی تاباں نے بیدی صاحب کی فرمائش پر اپنا کلام سنایا۔ جلسے کی کامیابی کے لیے سکریٹری نے پنجابی شعبے کے اساتذہ کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کیا۔ طلبہ نے بزم ادب کے اس تاریخی جلسے کا ایک فوٹو گروپ بھی کرایا۔

(عابد حکیم، آفس سکریٹری بزم ادب)

انجمن ترقی اردو ضلع کڑپہ (آندھرا) کے زیر اہتمام مختلف مقامات پہ یوم اردو

ریاستی شاخ آندھرا کی اپیل پر کڑپہ ضلع کے اہم مقامات پر یوم اردو منایا گیا جس کی مختصر رپورٹ درج ذیل ہے:

پروڈوٹور یہاں پر "یوم اردو" بتاریخ ۲ر فروری زیر صدارت جناب محمد حیات صاحب صدر انجمن ترقی اردو، کڑپہ منایا گیا۔ صدر موصوف اور جناب مولوی محمد حسنین صاحب نے "یوم اردو" منانے کی ضرورت پر روشنی ڈالی۔

رائچوٹی یہاں پر "یوم اردو" بتاریخ ۱۴ر فروری منایا گیا۔ اس جلسہ کی صدارت مولانا مولوی عبد اللہ قاسمی صاحب حیدرآبادی نے فرمائی۔ مولانا نے اس جلسہ کی اہمیت پر بصیرت افروز تقریر فرمائی۔

اسی جلسہ میں انجمن ترقی اردو (ہند) کی شاخ کا قیام عمل میں آیا۔ عہدیداروں اور اراکین کا چناؤ ہوا۔

راجم پیٹ یہاں پر "یوم اردو" بتاریخ ۵ر فروری منایا گیا۔ اس جلسہ کی صدارت جناب محمد شریف صاحب نے فرمائی۔ صدر موصوف نے اس جلسہ کی اہمیت حاضرین کو سمجھائی۔ اور فرمایا کہ اردو کی ترقی کے لیے اردو داں حضرات ہر ممکن کوشش کریں۔ تاکہ حکومت کے ذمہ دار حکام کو بھی اس زبان کی ترقی کا احساس پیدا ہو۔

اسی جلسہ میں انجمن ترقی اردو (ہند) کی شاخ کا قیام عمل میں آیا۔ اور عہدیداروں اور اراکین کا چناؤ ہوا۔

کڑپہ یہاں پر "یوم اردو" بتاریخ ۷ر فروری شاندار پیمانہ پر منایا گیا۔ اس جلسہ کی صدارت جناب پی۔ بسی ریڈی (P. Basi Reddy) بی۔ اے۔ بی۔ ایل سابق ممبر پارلیمنٹ نے فرمائی۔ اس جلسہ کو حسب ذیل حضرات نے خطاب فرمایا۔

۱۔ جناب حبا کوی پنجا پرتی نامائین چاریہ

۲۔ جناب سی رستیا راما راجو ایم۔ ایل۔ سی

۳۔ جناب سرینواس لاہوٹی شریک معتمد انجمن ترقی اردو حیدرآباد

تینوں حضرات نے اردو زبان کی خوبیوں پر روشنی ڈالی اور آندھرا میں اس کی اہمیت پر زور دیا اور اردو کو قانونی موقف دینے کا مطالبہ کیا گیا۔

کلام پورم یہاں پر "یوم اردو" بتاریخ ۱۴ر فروری منایا گیا۔ اس جلسہ کی صدارت جناب محمد حیات صاحب صدر انجمن ترقی اردو، کڑپہ نے کی۔ اس جلسہ میں دو قراردادیں منظور کی گئیں۔

اسی جلسہ میں انجمن ترقی اردو (ہند) کی شاخ قائم کی گئی۔ اور اراکین کا چناؤ عمل میں آیا۔

جمل مڑگ اس مقام پر "یوم اردو" ۲۸ر فروری منایا گیا۔ جلسہ کی صدارت جناب محمد حیات صاحب نے فرمائی۔

صدر کی جانب سے متحدہ قرارداد حاضرین کے سامنے پیش کی گئی جو متفقہ طور پر منظور کی گئی۔ اسی جلسہ میں انجمن ترقی اردو (ہند) کی شاخ کا قیام عمل میں آیا۔

مذکورہ بالا مقامات پر اس قرارداد کی حمایت کی گئی جو ریاستی شاخ نے ریاستی حکومت اور مجلس قانون ساز کو پیش کی ہے۔

سید خواجہ معین الدین
سکریٹری

— — —

خلیل الرحمٰن اعظمی کے مجموعۂ کلام "نیا عہد نامہ" کی رسم اجرا

علی گڑھ ۱۰ مارچ۔ آج علی گڑھ کے ادیبوں اور دانشوروں کے ایک خصوصی جلسے میں خلیل الرحمٰن اعظمی کے مجموعۂ کلام "نیا عہد نامہ" کی رسم اجرا عمل میں آئی۔ یہ جلسہ خواجہ مسعود علی ذوقی، جاوید کمال، ڈاکٹر رویندر بھرمر، اطہر پرویز اور ڈاکٹر عشرت حسن انور کی طرف سے منعقد کیا گیا اور اس کی صدارت پروفیسر آل احمد سرور نے فرمائی سب سے پہلے ڈاکٹر وحید اختر نے خلیل الرحمٰن اعظمی کی شاعری پر ایک مقالہ پڑھا جس میں انھوں نے اعظمی صاحب کی شاعری کی انفرادی خصوصیات کا تجزیہ کرتے ہوئے ان کے اس مجموعے کو "خود کی تلاش کا سفر نامہ" قرار دیا۔ انھوں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ اعظمی نے اپنی شاعری میں کائنات سے ذات کے حقیقت رشتے کی بنیادیں ڈھونڈی ہیں۔ ان کی شاعری ہیئت کے تجربے کی شاعری نہیں ذات کے تجربے کے اظہار کی شاعری ہے۔ اس مجموعے میں گھر، گھر کی معصوم خوشیاں، ... دکھ اور مسائل بھی ملتے ہیں اور گھر کی یک رنگی سے اکتاہٹ کا احساس بھی۔ اس فضا نے اعظمی کی شاعری کی انفرادیت کی تعمیر میں نمایاں حصہ لیا ہے اسی لیے ان کی شاعری غم ذات ہوتے ہوئے بھی دوسرے افراد سے نازک رشتوں کی شاعری بن گئی ہے۔"

وحید اختر کے مقالے کے بعد خلیل الرحمٰن اعظمی سے درخواست کی گئی کہ وہ اپنی شاعری کے بارے میں کچھ کہیں اور اپنی کچھ نظمیں سنائیں۔ اعظمی صاحب نے کہا سب سے پہلے میں ان بزرگوں اور مخلص دوستوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنھوں نے اس تقریب کے ذریعہ میری حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ اپنی شاعری سے متعلق میں نے اپنی کتاب کے دیباچے میں تفصیل سے لکھ دیا ہے۔ جو رہی سہی کسر تھی وہ میرے عزیز دوست وحید اختر صاحب نے پوری کردی ہے۔ مختصر طور پر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میری شاعرانہ زندگی عام شاعروں کے مقابلے میں ذرا مختلف رہی ہے۔ میں ان شاعروں میں سے نہیں ہوں جو شعر و ادب کی فضا میں آنکھ کھولتے ہیں یا اپنے آپ کو پیدائشی شاعر سمجھ کر ابتدا ہی سے یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ شعر کہنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ مجھے بچپن میں جو ماحول ملا اس میں شاعری اور شاعروں سے متعلق ایک تنفر کا جذبہ تھا یہاں تک کہ شعرا کے دواوین یا ناولوں اور افسانوں کی کتابوں کا مطالعہ قریب قریب ممنوعات میں شامل تھا اس لیے بی اے تک میں نے جو کچھ لکھا وہ نثر میں تھا میں جب علی گڑھ آیا تو میں نے اپنی پہلی نظم لکھی اس وقت میری عمر اٹھارہ سال کی ہو چکی تھی۔ عام شاعروں کے برخلاف میری شاعری کی ابتدا بجائے غزل گوئی کے نظم نگاری سے ہوئی۔ غزل کی طرف میں نے بہت بعد میں توجہ کی۔ آگے چل کر انھوں نے کہا کہ میری شاعری میری داخلی ضرورتوں کی پیداوار ہے میری زندگی بہت ناہموار اور ناخوشگوار گزری ہے۔ اگر میں اپنے جذبات و احساسات کو شعر کے پردے میں منتقل نہ کرتا تو ممکن ہے یہ میری روح میں زہر کی طرح سرایت کر جاتے اور اس صورت میں میں اپنے آپ کو تباہ کر لیتا۔ میری زندگی میں ایسے لمحے آئے ہیں جب میں نے اپنے آپ کو ہلاک کرنا چاہا ہے یا دوسروں کو ہلاک کرنے کا جذبہ میرے اندر پیدا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں یہ کہوں تو کچھ غلط نہ ہوگا کہ ان لمحوں میں شاعری میرے لیے بہت بڑا سہارا رہی ہے۔ شاعری کی مدد سے میں نے اپنے جذبات کی تہذیب کی ہے اور اس نے مجھے نارمل آدمی بننے میں خاصی مدد دی ہے۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ میری شاعری کی اور کوئی افادیت ہو یا نہ ہو لیکن یہ میری اپنی صحت اور زندگی کے لیے بہت ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ میں نے شاعری کو ترک کرنے کے بارے میں کبھی نہیں سوچا حالانکہ میری دلچسپی نثر سے بھی اتنی ہی ہے جتنی شاعری سے۔ ممکن ہے میں آئندہ نثر کی بعض اور اصناف پر طبع آزمائی کروں جیسے ناول یا ڈراما وغیرہ لیکن مجھے یقین ہے کہ اس وقت بھی شاعری سے میرا رشتہ برقرار رہے گا اور اس کی جگہ کوئی اور چیز نہیں لے سکتی حالانکہ میں یہ جانتا ہوں کہ شاعری کا شغل ادبی اور تصنیفی سرگرمیوں کے سلسلے میں سب سے کم منفعت بخش ہے۔"

صدر جلسہ پروفیسر آل احمد سرور نے اپنی تقریر میں سب سے پہلے خلیل الرحمٰن اعظمی کو ان کے مجموعے کی اشاعت پر مبارکباد دی۔ انھوں نے کہا اعظمی ان لوگوں میں ہیں جنھوں نے بہت کم عمر میں ہی اپنی حیرت انگیز صلاحیتوں کا ثبوت دیا تھا۔ وہ جب بی۔ اے کے طالب علم تھے تو ان کا مقالہ آتش کی شاعری پر ماہنامہ نگار میں شائع ہوا۔ میں اس وقت لکھنؤ میں تھا۔ نیاز صاحب نے اس مقالے کی بے حد تعریف کی اور کہا کہ یہ حضرت آتش ہیں اور کوئی بہت پرانے پاپی معلوم ہوتے ہیں۔ اسی زمانے میں اتفاق سے اعظمی لکھنؤ آئے تو نیاز صاحب کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ جس مقالہ نگار کے وہ اس قدر معترف ہیں وہ ایک نوخیز نوجوان ہے۔ آگے چل کر سرور صاحب نے فرمایا کہ ۱۹۴۳ اور ۱۹۵۰ کے درمیان جن ادیبوں کی اٹھان ہوئی ان میں سے وہ لوگ جو ذہانت و صلاحیت کے مالک ہوتے تھے ان کا ترقی پسند تحریک سے متاثر ہونا لازمی تھا چنانچہ اعظمی بھی اس تحریک سے متاثر ہوئے۔ ترقی پسند تحریک میں چند تنظیمی خرابیاں تھیں، تنگ نظری اور احتساب بھی بعد میں ضرورت سے زیادہ ہوگیا تھا اس لیے بعض ان نوجوانوں نے اس تحریک سے انحراف بھی کیا جو آزاد فضا میں سانس لینا چاہتے تھے۔ اعظمی نے بھی اس سے انحراف کیا لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ان شعرا کی شاعری پر ترقی پسند تحریک کا کوئی مثبت اثر نہیں پڑا۔ اعظمی ان لوگوں میں ہیں جو تقسیم ہند اور فسادات کی فضا سے ذاتی طور پر متاثر ہوئے اور اس کے زخم برداشت کیے۔ اس فضا نے نئی نسل کے مزاج پر بہت اثر کیا اور شاعری میں نیا لہجہ اور نئی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اعظمی اور بعض دوسرے شعرا نے اسی زمانے میں میر اور دوسرے کلاسیکی شعرا کا اثر قبول کیا بعض نقادوں نے اسے خطرناک میلان قرار دیا اور اندیشہ ہائے دور دراز

کا اظہار کیا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ میلان غیر صحت مند نہیں تھا۔
ہمارے یہاں اقبال کے اثر سے اردو شاعری میں بھی لے خاصی تیز ہوگئی تھی اور اس کا رشتہ اس فضا اور اس اسلوب و لہجے سے منقطع ہوگیا تھا جس میں ہندوستانی مزاج اور ہندوستانی روح ملتی ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کے شاعروں کی نظموں اور غزلوں میں اس لہجے کی بدولت ایک نئی قوت اور تازگی آگئی ہے جس کا اعتراف ضروری ہے۔

سرور صاحب نے آگے چل کر فرمایا کہ ترقی پسند تحریک کی بعض کوتاہیوں کے ردعمل میں کچھ شعرا بالکل دوسری سمت چلے گئے ہیں۔ وہ سیاست کو شاعری کے لیے شجر ممنوعہ سمجھنے لگے ہیں یا اپنی ذات کو ہی خلاصۂ کائنات سمجھنے لگے ہیں۔ اس سلسلے میں توازن کی ضرورت ہے حقیقی معنوں میں سیاست یا سماج سے قطع تعلق کرکے شاعری پروان نہیں چڑھ سکتی۔ دنیا یا سماج سے شاعر کا جھگڑا بقول رابرٹ فراسٹ دو پریمیوں کا جھگڑا ہے دو حریفوں کا نہیں۔ اعظمی کے یہاں سماج یا معاشرے سے جو لڑائی یا جھگڑے کی کیفیت ملتی ہے وہ دوستانہ ہے۔ منیب الرحمٰن کی نظموں میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے اور وحید اختر کے یہاں بھی۔ مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ علی گڑھ کی اس چھوٹی سی کائنات میں اب بھی شعر و ادب کے زندہ اور صحت مند رجحانات تقویت پا رہے ہیں اور موجودہ ادب کی آبیاری میں ہم کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔

صدر جلسہ کی تقریر کے بعد شعر و سخن کا سلسلہ شروع ہوا جس میں اختر انصاری، منیب الرحمٰن، وحید اختر، رویندر بھرمر، وارث کرمانی، شہریار، مسعود علی ذوقی، زاہدہ زیدی اور پروفیسر آل احمد سرور نے اپنا کلام سنایا۔

شرکائے جلسہ کو عصرانہ بھی دیا گیا۔

اس جلسہ میں علی گڑھ کے ادیبوں کے علاوہ ڈاکٹر سید عابد حسین نے بھی شرکت فرمائی۔ (نامہ نگار)

تبصرے

شہریار

انوار نظر۔ نظر لکھنوی

منشی نوبت رائے نظر لکھنوی کا ذکر اردو شعر و ادب کی تاریخ میں ہمیشہ بڑے احترام کیا گیا ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ اب تک ان کا کلام کتابی شکل میں شایع نہیں ہوا تھا۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ چند اردو دوستوں کی مساعی سے "انوار نظر" مرتب ہوکر شایع ہوگئی۔ اس کتاب میں ان کی چند مشہور نظمیں شامل ہونے سے رہ گئی ہیں جن کی نشاندہی کتاب میں کردی گئی ہے۔ امید ہے کہ ان کے تنقیدی مضامین کے مجموعے کی ترتیب و اشاعت کا اہتمام بھی جلد کیا جائے گا۔

نظر کی شاعری، شخصیت اور حالات زندگی پر طالب دہلوی صاحب نے سیر حاصل مضمون لکھا ہے جو "انوار نظر" میں شامل ہے۔ ساتھ ہی ساتھ نظر کی شاعری سے متعلق اردو کے اہم شاعروں اور ادیبوں کی مشہور آرا کو بھی یکجا کردیا گیا ہے۔ نظر کے کلام کا مطالعہ ایک ادبی فریضہ ہے جس کو ہر اردو دوست کو ادا کرنا چاہیے۔

ترتیب کتابت اور طباعت کا معیار قابل تعریف ہے ۱۵۴ صفحات کی اس کتاب کی قیمت دو روپے پچاس پیسے ہے جو ہر اعتبار سے کم ہے۔ اس کو شمع بک ڈپو آصف علی روڈ نئی دہلی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

سیلاب تخیل۔ مجموعۂ کلام حافظ عبدالرحیم خاں حافظ

عبدالرحیم خاں حافظ ٹونک کے مشہور شاعر ہیں۔ "سیلاب تخیل" ان کا مجموعہ کلام ہے جس میں حمد، نعت، مدحیہ نظمیں، قطعات اور غزلیں شامل ہیں۔ کیفیت اور کمیت کے اعتبار سے غزلوں کا پلا بھاری ہے۔ زیادہ تر غزلیں مقبول شعرا کی مشہور زمینوں میں ہیں۔ یعنی طرحوں پر لکھی گئی ہیں۔ غزل کی ہیئت کی قیود ہی کیا کم تھیں کہ اس پر حافظ صاحب نے طرح کی قید بھی اپنے لیے قبول کرلی۔ اتنی قیود کے بعد غزل میں اچھے شعر نکالنا خاصا مشکل ہے لیکن حافظ صاحب نے ان سب قیود اور مشکلوں کے باوجود بعض اچھے اشعار سے نوازا ہے۔ مثال کے لیے یہ شعر دیکھیے۔

ترے نقش قدم رہبر ہیں راہ شوق میں ورنہ — ہمیں دو گام چلنا بھی بہت دشوار ہو جاتا
کیا سوچ کے رکھا ہے قدم دشت جنوں میں — ناداں اس آغاز کا انجام نہیں ہے
مٹتے مٹتے بھی محبت کے نقوش — چھوڑ جائیں گے زمانے کے لیے
ایسا بھی عالم گذرا مجھ پر — جس میں تم بھی یاد نہ آئے

ملنے کا پتہ درج نہیں ہے۔
قیمت ایک روپے پچاس پیسے ہے۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور نذیر حسن پبلشر نے مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شایع کیا